ایک حدیث

گھریلو اختلاف کا فیصلہ

ابوداؤد میں سیدنا ابوسعید سے ایک روایت یوں ہے:

جاءت امرأة الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقالت زوجی صفوان بن معطل یضربنی اذا صلیت ویفطرنی اذا صمت ولا یصلی الفجر حتی تطلع الشمس، وصفوان عنده، فسأله فقال: یا رسول اللہ اما قولها یضربنی اذا صلیت فانها تقرأ سورتین وقد نهیتها فقال صلی اللہ علیہ وسلم لو کانت سورة واحدة لکفت الناس۔ واما قولها یفطرنی اذا صمت فانها تنطلق تصوم وانا رجل شاب فلا اصبر فقال صلی اللہ علیہ وسلم لا تصوم المرأة الا باذن زوجها۔ اما قولها انی لا اصلی حتی تطلع الشمس فانا اهل بیت قد عرف لنا ذلک لا نکاد نستیقظ حتی تطلع الشمس قال فاذا استیقظت یا صفوان فصل۔ ریاض السنة ص۱۲۳

حضورؐ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا: میرا شوہر صفوان بن معطل ہے۔ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو یہ مجھے مارتا ہے اور روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتا ہے اور خود ہر روز صبح کی نماز سورج نکلنے کے بعد پڑھتا ہے۔ صفوان بھی حضورؐ کے پاس ہی موجود تھے۔ حضورؐ نے ان سے صورت حال دریافت فرمائی تو وہ کہنے لگے: یا رسول اللہ اس کا کہنا ہے کہ میں نماز پڑھتی ہوں تو یہ مجھے مارتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ نماز میں دو دو سورتیں پڑھتی ہے اور میں اسے منع کرتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا: اگر قرآن میں ایک ہی سورت ہوتی تو لوگوں کے لیے کافی ہوتی۔ پھر صفوان نے کہا: یہ کہتی ہے کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو یہ تڑوا دیتا ہے، تو بات دراصل یہ ہے کہ یہ روزہ رکھتی چلی جاتی ہے اور میں ایک نوجوان ہوں۔ مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے۔ پھر صفوان بولے: اس کا یہ کہنا ہے کہ میں سورج نکلنے سے پہلے نماز فجر نہیں ادا کرتا تو بات یہ ہے کہ ہم ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں کی یہ عادت مشہور ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے ہم لوگوں کی آنکھ ہی نہیں کھلتی۔ حضورؐ نے فرمایا: اچھا اب سویرے ہی جاگ کر نماز ادا کر لیا کرو۔

اس حدیث کے تین حصے ہیں۔ ایک تو وہ شکایات ہیں جو ایک عورت اپنے شوہر کے متعلق بارگاہ نبوی میں پیش کرتی ہے۔ دوسرے حصے میں شوہر اپنی صفائی پیش کرتا ہے اور تیسرا حصہ حضورؐ کے فیصلے پر مشتمل ہے۔

عورت کہتی ہے کہ میں نماز پڑھتی ہوں تو میرا شوہر مجھے زدوکوب کرتا ہے۔ اگر مدعاعلیہ کا بیان نہ لیا جائے تو دعوے کا جو انداز ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ محض نماز پڑھنے کی وجہ سے شوہر اپنی بیوی کو مارتا ہے۔ حالانکہ بات یہ نہیں ہے۔ مدعی ہمیشہ اپنے دعویٰ کو اس انداز سے پیش کیا کرتا ہے کہ مدعاعلیہ قصوروار ثابت ہو کر رہے۔ جج کا کام یہ نہیں کہ مدعی کا یک طرفہ بیان سن کر فیصلہ دے دے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ تحقیق حال کرنے کے لیے مدعاعلیہ کا بیان صفائی بھی لے اور اگر ضرورت ہو تو جانبین کے گواہوں کے بیانات بھی سُنے۔ حضورؐ نے محض عورت کے بیان پر فیصلہ نہ دیا بلکہ اس کے شوہر صفوان بن معطل سے بھی بیان لیا۔ اب دیکھیے یہ تینوں مرحلے کس خوبصورتی سے طے ہوتے ہیں۔ ذرا یہ بھی دیکھیے کہ یہاں نہ کورٹ فیس لگتی ہے نہ تاریخیں بھگتنا پڑتی ہیں۔ نہ وکیلوں کے لیے ضرورت۔ سوالات اور بے کار جرحوں سے مقدمہ طول پکڑتا ہے اور نہ انصاف کی کوئی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ مختصر سی شکایت، مختصر سا بیان صفائی اور جچا تلا فیصلہ۔ ملاحظہ فرمایئے:

عورت کہتی ہے: میں جب نماز پڑھتی ہوں تو میرا شوہر مجھے زدوکوب کرتا ہے ــــــ عورت کو مارنا خود کیا کم بیہودگی ہے مگر یہاں تو یہ غضب ہے جس بات پر اسے مارا جا رہا ہے وہ کوئی اخلاقی یا قانونی جرم نہیں۔ قصور صرف یہ ہے کہ وہ نماز کیوں پڑھتی ہے؟ اگر صفائی کا بیان نہ لیا جائے تو ایک اسلامی ریاست کے جج کا فیصلہ صرف ایک ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص جو نہ فقط نماز سے روکتا ہو بلکہ زدوکوب بھی کرتا ہو واجب القتل ہے۔ لیکن ایک مسلمان کے متعلق آج بھی یہ گمان مشکل سے ہو سکتا ہے چہ جائیکہ عہد نبوت میں کسی مسلمان سے یہ توقع کی جائے کہ وہ نماز پڑھنے کی وجہ سے اپنی بیوی کو مارتا کوٹتا ہوگا۔ یہ گمان حضورؐ کو بھی کسی مسلمان کے متعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ مدعیہ کا انداز بیان بھی کیا دلچسپ ہے۔ بظاہر صورت حال یہی ہے کہ وہ نماز پڑھنے کی وجہ سے ماری پیٹی جاتی ہے۔ اسی کے مطابق وہ بیان دیتی ہے لیکن گڑ کی جو بات اس دعویٰ کی تہہ میں ہے وہ اسے ظاہر نہیں کرتی۔ یا تو اس کی بشری کمزوری ہے جو اخفائے حقیقت کر رہی ہے یا پھر وہ زدوکوب کی اصل وجہ کو اپنی ناواقفیت کی وجہ سے نہ سمجھ سکی ہوگی۔ یا پھر اسے نماز سے اتنا شغف ہے کہ وہ طویل نماز میں اختصار پیدا کرنے کی خواہش کو بھی مداخلت فی الصلوٰۃ سمجھتی ہے اور اس سلسلے میں اسے جو تنبیہ کی جاتی ہے اس کی علت وہ طول نماز کو نہیں بلکہ نفس نماز کو قرار دیتی ہے۔ ہمارا گمان ہے کہ یہی تیسری وجہ ہوگی۔ اب بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو نماز کا ایسا ذوق رکھتے ہیں کہ انہیں دوسرے فرائض زندگی کی پروا نہیں ہوتی۔

اب حضورؐ صفوان بن معطل سے بیان لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ: یا رسول اللہ یہ نماز میں دو دو سورتیں پڑھتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدانخواستہ ادائے نماز کی وجہ سے زدوکوب نہیں کرتے بلکہ نماز کو طول دینے سے روکتے ہیں۔ انہوں نے بار بار ادھر توجہ دلائی ہوگی اور جب کوئی شنوائی نہ ہوئی ہوگی تو دو ایک بار زدوکوب

کی بھی نوبت آ گئی ہو گی ۔ روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ صفوان اپنی بیوی کو طول نماز سے کیوں روکتے تھے ۔ بہ ظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے گھریلو فرائض میں کوتاہی ہو جاتی ہو گی ۔ اب بھی بعض گھرانوں میں یہ مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ ادھر بچہ رو رہا ہے ادھر نمازیں مسلسل جاری ہیں ۔ ادھر ہانڈی جلی جا رہی ہے اور ادھر تلاوت کا تسلسل نہیں ٹوٹتا ۔ ادھر شوہر، دوسرے افراد خانہ بھوکے بیٹھے ہیں اور ادھر وظیفہ ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا ۔ اسی قسم کی کچھ باتیں ہوں گی جن کی وجہ سے جناب صفوان اختصار نماز کو پسند کرتے ہوں گے مگر بیوی کے شغف یا ضد میں کوئی کمی نہ آتی ہوگی ۔ ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے ۔

بہرحال حضورؐ نے صفوان کا بیان سننے کے بعد جو فیصلہ دیا وہ یہ ہے کہ: اگر ایک ہی سورت ہوتی تو لوگوں کے لیے کافی ہو جاتی ۔ یہ عجیب جملہ ہے ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہی سورۃ پڑھنا کافی ہے بلکہ ان الفاظ کے صحیح معنی یہ ہیں کہ اگر وجود ہی ایک سورت کا ہوتا یعنی قرآن میں اگر سورت ہی ایک ہوتی تو لوگوں کے لیے کافی ہو جاتی ۔ تین آیات کے سورۂ عصر کے متعلق امام شافعی کا یہ قول مشہور ہے کہ اگر پورے قرآن میں صرف یہی ایک سورت ہوتی تو دنیا کے لیے کافی تھی ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر سورت کا ایک خاص مرکزی مضمون ہوتا ہے جسے موجودہ دور کے مفسرین "عمود" کہتے ہیں ۔ ہر سورہ کا مرکزی عمود در اصل ایک ہی ہے یعنی انسانوں کو انسانیت سکھانا ۔ ارشاد نبوی کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر ایک ہی سورہ کا وجود ہوتا تو ظاہر ہے نماز میں اسی کو پڑھا جاتا اور ہر رکعت میں لوگ وہی پڑھا کرتے ۔ جب پہلی سورت (اقرأ) نازل ہوئی تو لوگ اسی کی تکرار کرتے ہوں گے ۔ پس اگر نماز میں بھی ایک ہی سورت پر اکتفا ہو اور اسے طول نہ دیا جائے تو اس کے کافی ہونے میں کوئی شک نہیں ۔ زیادہ سورتوں کا پڑھنا اگر ممنوع نہیں تو ضروری بھی نہیں ۔ ایک یا زیادہ سورتوں کا پڑھنا اپنے اپنے موقعے محل کے مطابق ہونا چاہیئے نہ کہ ہر وقت ۔

اس سلسلے میں خود حضورؐ کا اسوۂ حسنہ بڑا سبق آموز ہے ۔ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی میں حضرت انسؓ سے ایک نہایت معنی خیز ارشاد نبوی یوں منقول ہے :

انی لادخل فی الصلوۃ ارید ان اطیلها فاسمع	جب میں نماز شروع کرتا ہوں تو اسے طویل کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن
بکاء الصبی فاتجوز فی صلوتی لما اعلم من وجد	جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز سے جلدی گزر جاتا ہوں
امه من بکائه (ریاض السنۃ ص۳۵)	کیونکہ اس کے رونے سے ماں کو جو تکلیف ہوتی ہے اسے میں سمجھتا ہوں

یہ اس نماز باجماعت کا ذکر ہے جس میں عورتیں بھی ہوتی تھیں ۔ یہاں ایک طرف نبوی ذوق عبادت کا تقاضا یہ ہے کہ معبود کے آگے سر جھکے تو جھکا ہی رہے ، اٹھنے کا نام نہ لے مگر دوسری طرف بندوں کی رعایت بھی ضروری ہے ۔ اس لیے حضورؐ اپنے ذوق کے تسلسل کو اس لیے توڑ دیتے ہیں کہ بچوں کی آواز گریہ سے ماؤں کے ذوق عبادت

میں فرق آجاتا ہے۔ سوال یہ ہے ایک عورت اسی طرح اپنے شوہر کی رعایت کیوں نہ کرے۔ اور یہ صرف عورت ہی کے لیے نہیں بلکہ ان مردوں کو بھی جو اپنی بیویوں کو چھوڑ کر ساری رات نفل گزاری کرتے ہیں یہی حکم ہے کہ نماز چھوڑ کر اپنی بیویوں کے تقاضے پورے کریں۔

اس کے بعد صفوان کی بیوی دوسری شکایت پیش کرتی ہے کہ میرا شوہر مجھ سے روزہ تڑوا دیتا ہے جہاں تک ہمارا گمان ہے اس کا تعلق صوم رمضان سے نہیں، کیونکہ اس کی جرأت صفوان نہ کر سکتے تھے۔

اس کے بعد حضورؐ نے صفوان کا بیان لیا تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ میں جوان ہوں اور جوانی کی امنگیں رکھتا ہوں اور افطار تک اپنے جنسی تقاضوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔

حضورؐ نے یہ بیان سن کر یوں فیصلہ دیا کہ: عورت کو نفل روزے اپنے شوہر کی اجازت ہی سے رکھنا چاہیئے۔ یہ ذرا سا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ ایک اعلیٰ عبادت کو ہوس جوانی کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ "در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی" (سعدیؒ)۔ حضورؐ نفسیات انسانی کے بھی بہترین رازداں تھے۔ اپنے جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے انسان کیا کیا جائز ناجائز جتن کرتا ہے حضورؐ اس سے ناواقف نہ تھے۔ دل و دماغ پر اس کے کتنے خراب اثرات پڑتے ہیں اور اس سے کیا کیا گھر میں فتنے اور اخلاقی فسادات رونما ہو سکتے ہیں اس سے حضورؐ اچھی طرح واقف تھے۔ یہ امکان ہر وقت ہے کہ ایک نوجوان مرد بیوی کے روزے یا کسی اور وجہ سے اپنے جنسی تقاضے پورے نہ ہونے کے باعث کوئی ایسی ناجائز سبیل تلاش کرنے پر اتر آئے جس سے زیادہ بڑی اور کوئی بے حیائی نہ ہو۔ ایک جج کو یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ جب دو برائیوں کے تقاضے ایک ساتھ ابھر رہیں جن میں کسی ایک کو اختیار کرنا پڑے تو وہ دونوں میں سے کسے اہون البلیتین قرار دے کر قبول کرے۔ یا اگر دو قدروں میں تصادم ہو تو وہ کسے اعلیٰ تر قرار دے کر اختیار کرے۔ یہاں ایک طرف روزے کا ثواب ہے اور دوسری طرف سخت معاشرتی یا اخلاقی خرابی کا خطرہ۔ ایک طرف حصول خیر ہے اور دوسری جانب اجتناب شر۔ حضورؐ نے حصول خیر کو ملتوی فرما دیا اور اس پر اجتناب شر کو ترجیح دی اس لیے کہ اجتناب شر خود ہی ایک حصول خیر ہے۔

پھر بیوی تیسری شکایت پیش کرتی ہے کہ میرا شوہر ہر روز صبح کی نماز قضا کر کے پڑھتا ہے۔ حضورؐ صفوان سے صورت حال دریافت فرماتے ہیں تو وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہماری قوم کے سارے افراد سورج نکلنے کے بعد بیدار ہونے کے عادی ہیں۔ حضورؐ نے کوئی فتوائے کفر نہیں دیا بلکہ حکیمانہ، ناصحانہ، خیر خواہانہ اور ہمدردانہ انداز سے اسے ہدایت فرمائی کہ عورت کا مطالبہ درست ہے اور تمہیں نماز صبح وقت پر ادا کرنی چاہیئے۔ جب عورت سے تم نفل روزے چھڑوا سکتے ہو اور نماز مختصر کرا سکتے ہو تو فرض صبح کو بروقت ادا

کرنے کا صحیح مطالبہ تم کیوں نہ پورا کرو۔ یہ رعایت صرف عورت کی نہیں بلکہ دراصل خدا کا مطالبہ ہے۔

حضورؐ کے ان تمام عادلانہ اور حکیمانہ فیصلوں پر ایک نظر بازگشت ڈالئے تو ایک عجیب نکتہ سامنے آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نماز روزہ ہو یا کوئی اور عبادت اس کا کوئی فائدہ خدا کو نہیں پہنچتا۔ سارے فائدے گھوم پھر کر انسانی معاشرے ہی کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسلام کو اگر ایک وسیع و ہمہ گیر سوشل نظام قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ تمام عبادات کا مقصد اسی معاشرتی نظام کو سنوارنا اور نکھارنا ہے۔ معاشرے کا آغاز گھریلو نظام سے ہوتا ہے۔ اگر عبادات و مناسک ہی سے اس نظام میں خلل آنے لگے تو ان میں مناسب ترمیم کر دینی چاہیئے۔ زندگی کا صرف ایک ہی خانہ نہیں جسے محض نماز روزے یا وظائف و اوراد سے پُر کر دیا جائے۔ زندگی کے بے شمار خانے ہیں جو باہم مل کر ایک وحدت بنتے ہیں۔ زندگی میں کچھ ہنسنا ہے، کچھ رونا ہے۔ کچھ محنت ہے کچھ تفریحات ہیں۔ کچھ دوست احباب ہیں کچھ بال بچوں کے حقوق ہیں۔ کچھ قرابتمند ہیں کچھ مہمان ہیں۔ کچھ کاروبار اور لین دین ہے کچھ رد و قدح ہے۔ کچھ جنگ ہے کچھ صلح ہے۔ کچھ بازار اور دوکان ہے کچھ مسجد ہے، کچھ جلوت ہے کچھ خلوت ہے۔ غرض زندگی کے بے شمار خانے ہیں اور انسانی نصب العین یہ ہے کہ ان سارے خانوں میں ایک توازن و تناسب کے ساتھ امتزاج پیدا کرے۔ اسی عمل کا نام قرآنی اصطلاح میں احسان (حسن کاری) ہے جو انسانی کردار کا آخری زینہ ہے اور یہ زینہ خود بھی اپنے اندر بے شمار مدارج رکھتا ہے اگر ان سارے خانوں میں کسی ایک ودھ میں کلی انہماک ہو جائے تو لازماً دوسرے خانوں میں اسی تناسب سے خلا ظاہر ہو کر توازن میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا جسے قرآن (بمقابلہ احسان) اساءۃ کہتا ہے۔ ہر شے کا حسن اس کے تناسب و توازن میں ہے۔ اور محسن (حسن کار) وہ ہے جو اپنی زندگی کے تمام خانوں میں حسن کارانہ توازن و تناسب کو قائم رکھے۔

جناب صفوان کی بیوی نے سب کچھ روزے نماز ہی کو سمجھ لیا تھا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا گھریلو زندگی کی خوشگواریوں کا خانہ خالی ہوتا جائے اور معاشرے کا توازن اس سے متاثر ہونے لگے حضورؐ نے اس اساءۃ کی نہایت حکیمانہ و عادلانہ اصلاح فرما دی۔ ہماری یہ بڑی غلطی ہے کہ ہم نماز روزے کو تو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور گھریلو زندگی کی خوشگواریوں یا معاشرتی نظام کے توازن کی وہ اہمیت ہماری نگاہوں میں نہیں۔ ایسی عبادات سے کوئی فائدہ نہیں جو معاشرتی یا گھریلو زندگی میں ناخوشگواری پیدا کرے۔ گھریلو خوشگواری کے لیے عورتوں کو روزے میں نمک چکھنے کی اجازت ہے۔ بلکہ نفلی روزے چھوڑ دینے کا حکم ہے اور نماز کو مختصر کر دینے کی ہدایت ہے۔ معاشرہ ہی درست کرنے کے لیے تو عبادات و مناسک ہیں پھر اللہ کا رسولؐ نماز روزے کے ایسے انداز کو کیونکر گوارا کر سکتا تھا جو گھر یا معاشرے کی خوشگواری میں خلل انداز ہو

رہا ہو ؟ اس فیصلۂ نبوی پر ان عابد و زاہد زوجین کو (اور دوسروں کو بھی) خصوصیت کے ساتھ غور کرنا چاہیے جو نماز روزے میں بڑا انہماک رکھنے کے باوجود ہر روز جھگڑے فساد کرنے میں بھی ویسا ہی انہماک رکھتے ہیں۔

حضورؐ کے اس فیصلے میں ہر دور کے ججوں کے لیے بھی بڑی اعلیٰ تعلیم ہے۔ جج کا کام صرف یہ نہیں کہ قانون کی پیروی میں یا وہ ایک خارجی تقاضوں کے لحاظ ہی ہی کامل انہماک رکھے۔ اسے یہ دیکھنا چاہیئے کہ زندگی ــــ معاشرے، گھر اور افراد سب کی ــــ کس نوع سے سدھرتی ہے۔ پھر دو قدروں میں ٹکراؤ ہو تو کسے ترجیح دی جائے اور دو برائیاں اپنی اپنی طرف کھینچ رہی ہوں تو کسے اہون الشرین قرار دے کر اختیار کیا جائے۔ عارضی یا مستقل طور سے زندگی پر اس کے کیا اثرات مترتب ہوں گے ؟ جج کے معنی محض قانونی فیصلہ دینے والا نہیں۔ اسے تو ایک صدر مملکت سے بھی زیادہ خیر خواہ انسانیت ہونا چاہیئے۔

مسلم ثقافت ہندوستان میں

مصنفہ مولانا عبدالمجید سالک

مسلمانوں نے ہندوستان پر مدت دراز تک حکومت کی اور ان کے دورِ حکومت ہی میں ہندوستان کی حقیقی عظمت کی تاریخ بنی۔ برّکبیر پاک وہند کو مسلمانوں نے ایک ہزار سال کی مدت میں کن برکات سے آشنا کیا اور اس قدیم ملک کی تہذیب وثقافت اور زندگی کے مختلف شعبوں پر کتنا وسیع اور گہرا اثر ڈالا۔ یہ اس کتاب میں بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ قیمت بارہ روپے۔

ملنے کا پتہ: سیکرٹیری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

اعلان

مجلۂ ثقافت کے جو خریدار ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی مطبوعات خریں گے ان سے محصول ڈاک نہیں لیا جائے گا بشرطیکہ وہ اپنے آرڈر کے ساتھ اپنا خریداری نمبر درج کریں۔

سیکرٹیری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور